© rasailojaraid.com

میں علی حیدر کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور اہل بیت سے ان کی وفاداریاں گاڑھی ہوگئیں۔ لیکن عرب اور بالخصوص صحابہ کا طبقہ جو اپنے اسلامی تقدم اور جہادی خدمات پر نازاں تھا اور فرق مراتب کو بڑی اہمیت دیتا تھا، علی حیدر کی مساویانہ تقسیم سے سخت بددل ہوگیا اور ان کا حکم ٹالنے لگا۔[1]

(۲) تقسیم میں مساوات کے علاوہ علی حیدر خزانہ میں روپیہ پیسہ یا مال و متاع جمع رکھنے کے بھی خلاف تھے اور اس معاملہ میں بھی ان کا طریق کار اپنے تینوں پیشرو خلفاء سے مختلف تھا۔ کسی اتفاقی غنیمت سے اگر روپیہ پیسہ یا مال و متاع ان کے پاس آتا یا سالانہ تنخواہوں اور ماہانہ راشن کی تقسیم کے بعد بچ رہتا تو پس انداز نہیں کرتے تھے بلکہ فوج میں بالتساوی تقسیم کردیتے تھے۔ ابن عبد البر[2]: کان علی لایدع فی بیت المال ما لا یبیت فیہ حتی یقسمہ الا أن یغلبہ فیہ شغل۔ ابن عبد ربہ[3]: کان علی یقسم بیت المال فی کل جمعۃ حتی لا یُبقی منہ شیئاً۔ چونکہ خزانہ خالی رہتا تھا اس لئے وہ خود بھی اپنا خرچ سابقہ خلفاء کی طرح خزانہ سے لینے پر قادر نہیں تھے۔ ان کے معاش کا ذریعہ حجاز میں ان کے وسیع املاک کی آمدنی، خیبر کے خالصہ علاقہ سے رسول اللہ کے عطا کردہ ہزاروں من کھجور اور غلے کے حصے، ان کی اور ان کے متعلقین کی سالانہ تنخواہیں اور ماہانہ راشن نیز اتفاقی غنیمت اور تنخواہوں کے بعد بچے ہوئے روپے سے حاصل ہونیوالے سہام تھے۔

(۳) رسول اللہ، شیخین اور عثمان غنی پانچ اونٹوں پر ایک بکری زکات لیتے تھے، دس پر دو، پندرہ پر تین بیس سے چوبیس تک چار اور پچیس تا پینتیس ایک بنت مخاض (دوسرے سال میں اونٹ کا بچہ) علی حیدر بیس تا پچیس پانچ بکریاں لیتے تھے اور چھبیس تا پینتیس ایک بنت مخاض[4]

(۴) عمر فاروق نے عراق کی مزروعہ اراضی پر حسب ذیل لگان وصول کیا تھا۔

۱۔ گیہوں ـــ دو دو روپے (چار درہم) فی مربع جریب (سولہ سو مربع گز)

---

[1] ابن ابی الحدید ۱/۸۰ و ۲/۱۷۳ - ۱۷۴۔ [2] استیعاب ۱/۲۶۵۔ [3] العقد الفرید ۳/۹۵

[4] بیہقی ۴/۹۳ [5] ابو یوسف ص۲۱، ۲۲، بلاذری ص۲۷۵، ابن سلام ص۶۸، ۶۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) جو ایک روپیہ فی مربع جریب

(۳) انگور پانچ روپیہ " " "

(۴) کھجور " " " " "

(۵) گنا تین روپیہ " " "

(۶) سبزی ڈھائی روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ فی مربع جریب۔

(۷) روئی " " فی مربع جریب۔

(۸) تل " " " " "[1]

علی حیدر نے عراق کے ایک وسیع زراعتی علاقہ سے جو کوفہ کے شمال مغرب میں دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھا، حسب ذیل لگان وصول کیا:

(۱) گیہوں — بارہ آنے فی مربع جریب (اچھی فصل والی) مع ایک صاع (تقریباً ساڑھے تین سیر گیہوں)

(۲) " آٹھ آنے " " " (متوسط فصل والی)

(۳) " چھ آنے " " " (معمولی فصل والی)

(۴) جو " " " " "

(۵) کھجور اور دوسرے پھلوں کے باغوں سے پانچ روپے فی مربع جریب

(۶) انگور پانچ روپے فی مربع جریب

سبزی، کھیرا، دال، تل اور روئی پر لگان معاف تھا۔[2]

علی حیدر نے شرح لگان میں کیوں تخفیف کی اور پیداوار کی کئی اہم صنفوں سے کاشتکاروں کو لگان کی چھوٹ کیوں دی۔ اس کے اسباب پر ہمارے مراجع نے روشنی نہیں ڈالی ہے۔ ممکن ہے کہ اس علاقہ کے زمینداروں نے خلیفہ سے اپنی زراعتی مشکلات یا قلت پیداوار کی شکایت کی ہو۔ ممکن ہے کہ یہ تخفیف استثنائی حالات کے زیر اثر موقت طور پر کی گئی ہو۔

---

[1] ابو یوسف صفحہ ۲۱، ۲۲، بلاذری صفحہ ۲۷۵، ابن سلام صفحہ ۶۹، ۷۰۔ [2] بلاذری صفحہ ۲۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ واقدی مؤرخ کی حیثیت سے

جناب مولانا حافظ محمد نعیم صاحب ندوی صدیقی دار المصنفین اعظم گڈھ

ذہنی افق پر واقدی کا نام ابھرتے ہی شکوک وشبہات کی بدلیاں چھانے لگتی ہیں اور نفرت وبدگمانیوں کے سائے گہرے ہوجاتے ہیں۔ حتی کہ اب واقدی کے نام کو کذب افترا، دروغ گوئی اور دجل و جعل کے مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ سیر ومغازی کی کتابوں میں اس کا نام بار بار آتا ہے۔ بعض ائمہ حدیث نے ان کو سخت ترین جرح کا نشانہ بنایا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی ان کو محض ایک داستان گو کہتے ہیں۔ امام شافعی ان کی تصنیفات کو جھوٹ کا انبار کہا کرتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ مستشرقین یورپ نے ان کی بعض روایات کو اسلحہ بنا کر اسلام کے حصن حصین پر شدید حملے کئے ہیں۔ اور ان کی آڑ میں دینِ متین کے روئے منور کو داغدار کرنے کی کوششیں کی ہیں لیکن اس میں زیادہ دخل خود ان ہی نام ونہاد فضلاء یورپ کی کوتاہ بینی، شپرہ چشمی اور کم علمی کو ہے حقیقت یہ ہے کہ واقدی کی محدثانہ اور مؤرخانہ دونوں حیثیتیں جدا جدا ہیں۔ ان دونوں کو گڈمڈ کرنے سے یقیناً خلط مبحث واقع ہو جائے گا۔

ماہرین جرح وتعدیل نے احادیث کی صحت وسقم اور رواۃ کی ثقاہت وضعف کو جانچنے کے لئے جو میزان اور اصول وضع کئے ہیں وہ بہت سخت ہیں اور بلا شبہ اسی شدت وسختی کی بنا پر آج اتنے عظیم ذخیرۂ احادیث کی صحت واستناد پر بلا تذبذب مخالف کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ علامہ واقدی علمائے جرح وتعدیل کے اس میزان پر پورے نہیں اترتے وہ بیشتر تدلیس کا ارتکاب کرتے تھے علاوہ ازیں ضعفِ حافظ کا شکار وہ ابتدا ہی سے تھے۔ انہی سب وجوہ کی بنا پر محدثین انہیں پایۂ اعتبار سے ساقط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار دیتے ہیں لیکن بہرحال ان کی روایات کو قطعی طور پر قابل رد نہیں کہا جا سکتا اِلا یہ کہ وہ کسی مستند وثقہ ترین راوی سے متعارض نہ ہو۔

جہاں تک ان کی مؤرخانہ حیثیت کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ان کے مشاہدات و تجربات تاریخ کی مستند ترین دستاویز کا درجہ رکھتے ہیں انھوں نے سیر و مغازی کے واقعات کی چھان بین میں جو غیر معمولی کد و کاوش اور امکانی جانکاہی دکھائی اس کی تفصیل آئندہ صفحات سے واضح ہوگی یہاں عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ جن علماء نے صرف مستشرقین کی جراحتوں سے محفوظ رہنے کی خاطر واقدی کو سرے سے وضاع، کذاب اور جعل ساز قرار دے دیا ہے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کیجا سکتی واقدی کے علم و معرفت اور فضل و کمال کا کماحقہ اعتراف نہ کرنا درحقیقت علم کی بے قدری اور... خود فراموشی کی دلیل ہے۔

علامہ شبلی نے سیرت کے مقدمہ میں ان پر بڑی سخت تنقید کی ہے۔ چنانچہ محمد بن اسحاق کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

"شہرتِ عام میں اگرچہ واقدی ان سے کم نہیں لیکن واقدی کی لغو بیانی مسلم ہے اور اسلئے انکی شہرت بدنامی کی شہرت ہے[۱]"

"سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں، کتاب السیرۃ اور کتاب التاریخ والمغازی، کتب سیرۃ کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ ان ہی کی تصانیف ہیں[۲]"

"ان میں سے واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق[۳] لکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے[۴]"

۱؎ سیرت النبی ج ۱ ص ۲۳۔ ۲؎ ایضاً ص ۳۳۔ ۳؎ یہ علامہ شبلی کا سہو قلم ہے ورنہ واقدی کی ثقاہت و ضعف کے بارے میں محدثین بہت مختلف الرائے ہیں۔

۴؎ سیرت النبی ج ۱ ص ۴۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال یہ مسلم ہے کہ دوسری صدی ہجری میں جن لوگوں نے علومِ اسلامیہ کی تدوین کا کام کیا ان میں ایک ممتاز نام محمد بن عمر الواقدی کا بھی ہے۔ ذیل میں ابتداءً ان کے حالات وسوانح اور پھر خدمات و کارناموں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

نام ونسب | محمد نام اور ابو عبداللہ کنیت تھی۔ عام طور سے واقدی کے نام سے مشہور رہیں واقد ان کے دادا کا نام تھا اسی نسبت سے وہ اپنے کو واقدی لکھتے تھے۔ واقدی خاندانی نسبت ہے گر یہ خانوادہ بنو سہم بن اسلم کا غلام تھا اس لئے اسلمی بھی کہے جاتے ہیں[1]

ولادت | واقدی سنہ ۱۳۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور تقریباً ۴۰ برس کی عمر تک زیادہ تر مدینہ ہی میں رہے اس لئے مدنی بھی کہلاتے ہیں[2]

تحصیل علم | مدینہ منورہ میں اس وقت امام مالک اور ابن ابی ذئب اور بعض دوسرے ائمۂ علم وفضل کے چشمہائے فیض جاری تھے انھوں نے ان سے اکتسابِ فیض کیا اور پھر مدینہ منورہ سے باہر دوسرے شیوخ سے بھی علم حاصل کیا۔ واقدی کے حالات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ چالیس برس کی عمر تک تحصیلِ علم کے سلسلہ میں وہ حجاز سے باہر نہیں گئے۔ حجاز سے باہر کے جن شیوخ سے ان کے کسبِ فیض کا ذکر ملتا ہے ان سے انھوں نے مدینہ چھوڑنے کے بعد فیض حاصل کیا ہے۔ چنانچہ واقدی کے تلمیذِ رشید اور کاتبِ خاص ابن سعد لکھتے ہیں۔

فقدم بغداد فی سنۃ ثمانین ومائۃ فی دین لحقہ فلم یزل بھا وخرج إلی الشام والرقۃ۔ ثم رجع إلی بغداد فلم یزل بھا۔[3]	وہ سنہ ۱۸۰ھ میں اپنے قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں بغداد آئے اور پھر وہاں بہت دنوں رہے وہیں سے شام اور رقہ بھی گئے پھر آخر وقت تک بغداد میں رہے۔

اساتذہ | انھوں نے جن ائمۂ علم کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا ان میں نمایاں اور ممتاز اسمائے

۱؎ کتاب الانساب للسمعانی ورق ۵۷۷۔ ۲؎ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۴۔ ۳؎ ابن سعد ج ۷ ص ۷۷ (قسم دوم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرامی یہ ہیں۔

معمر بن راشد، مالک بن انس، محمد بن عبداللہ بن اخی الزہری، سفیان ثوری، ابو معشر، محمد بن عجلان، ربیعہ بن عثمان، ضحاک بن عثمان، ابن جریج، ثور بن یزید، معاویہ بن صالح، ولید بن کثیر، عبدالحمید بن جعفر، اسامہ بن زید۔ مخرمہ بن بکیر، افلح بن سعید، یحیٰی بن عبداللہ بن ابی قتادہ، افلح بن حمید، ابن ابی ذئب اوزاعی، سعید بن بشر، ہشام بن الغاز۔[1]

تلامذہ | جن وارفتگان علم نے علامہ واقدی سے اکتساب فیض کیا ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

محمد بن سعد (کاتب الواقدی) ابوحسان الزیادی، محمد بن اسحاق، احمد بن عبید بن ناصح، حرب بن ابی اسامہ، امام شافعی (ان کی وفات واقدی سے قبل ہی ہوگئی تھی) سلیمان بن داؤد الشاذ کوفی، ابوعبید القاسم بن سلام، ابوبکر ابن ابی شیبہ، ابوعبیدہ احمد بن عبید اللغوی، محمد بن یحیٰی الازدی، احمد بن خلیل الرجلانی احمد بن منصور الرمادی۔[2]

مدینہ چھوڑنے کا سبب | واقدی نے ابتداء میں اپنے علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں جب تک قیام رہا تجارت کا مشغلہ جاری رکھا۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے لوگوں سے ایک لاکھ درہم بطور مضاربت[3] لے رکھے تھے اور اس سے گیہوں کی تجارت کرتا تھا۔ اتفاق سے یہ سرمایہ تلف ہوگیا۔ یا تجارت میں خسارہ ہوگیا۔ سرمایہ داروں نے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ کوئی سبیل نظر نہیں آئی تو خالد بن یحیٰی برمکی جس کی سخاوت کا ہر طرف چرچا تھا۔ کے پاس بغداد آئے اور خالد کے دربار میں حاضر ہو کر مدد چاہی اس کی آمد کی پوری تفصیل خطیب بغدادی نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ میں دی ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"جس وقت میں یحیٰی بن خالد برمکی کے مکان پر پہنچا وہ اندر تھا۔ دربانوں نے مجھ سے کہا کہ اس

---

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱ وابن سعد ج ۷ ص ۷۷ وسمعانی ورق ۵۷۸۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۳۔ [3] مضاربت: یعنی ایک کا سرمایہ دوسرے کی محنت۔ مضاربت میں نقصان کی ذمہ داری مضارب پر نہیں ہوتی مگر لوگوں نے خلاف قاعدہ ایسا کیا ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت آپ ٹھہریں کھانے کے وقت کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی اس وقت اطمینان کے ساتھ ملاقات ہوگی چنانچہ حسب معمول دسترخوان چنا گیا اور ملازموں نے مجھ کو دسترخوان پر پہنچا دیا۔ کھانے کے درمیان ہی یحییٰ نے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ میں نے اپنی پوری سرگذشت سنائی۔ کھانا ختم ہوا اور جب یحییٰ ہاتھ دھو کر فارغ ہو چکا تو میں نے عربوں کی عادت کے مطابق اس کی پیشانی اور سر کا بوسہ لینا چاہا تو اس نے سر ہٹا لیا۔ جب میں باہر آکر اپنی سواری پر سوار ہونے لگا تو ایک خادم ایک ہزار دینار کی تھیلی لے کر میرے قریب آیا اور وہ تھیلی مجھ کو دیتے ہوئے بولا "وزیر محترم نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ اس سے اپنی ضروریات پوری کریں اور کل آنے کا وعدہ کریں"۔ میں نے وہ تھیلی لے لی اور حسب وعدہ دوسرے دن جا کر کھانے میں شریک ہوا۔ اور پھر جب میں چلنے لگا تو خادم نے پہلی مرتبہ کی طرح ایک ہزار دینار کی تھیلی لا کر دی اور تیسرے دن آنے کا وعدہ لیا گیا۔ چوتھے دن جب میں حاضر ہوا اور کھانے کے بعد یحییٰ کے سر کا بوسہ لینا چاہا تو اس نے سر ہٹایا نہیں اور میں نے بوسہ لے لیا۔ اس کے بعد یحییٰ برمکی نے خود گذشتہ دنوں میں بوسہ سے باز رکھنے کی وجہ بیان کی۔ اس نے کہا کہ میں نے بوسہ دینے سے آپ کو اس لئے روکا کہ میری طرف سے کوئی ایسا قابل ذکر سلوک نہیں ہوا تھا جس کی وجہ سے میں اس اعزاز کا مستحق ہوتا۔ اب جب کہ میں کچھ کام آسکا ہوں تو آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ اس کے بعد اس نے غلام کو حکم دیا کہ فلاں کمرہ حوالہ کرو اور اس میں فلاں فلاں قسم کے فرش و فروش بچھا دو اور ان کو دو لاکھ کی رقم حوالہ کرو۔ ایک لاکھ میں یہ اپنی ضروریات پوری کریں اور ایک لاکھ سے قرض ادا کریں۔

مزید برآں یحییٰ بن خالد نے واقدی سے ان کے علم و فضل کی وجہ سے یہ خواہش کی کہ آپ مستقل طور پر میرے غریب خانہ پر رہیں۔ انھوں نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے مجھے مدینہ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں لوگوں کے قرضے واپس کر دوں۔ پھر واپس آکر میں یہیں قیام کروں گا۔ یحییٰ نے ان کی یہ خواہش مان لی اور مدینہ منورہ جانے کا سامان خود کر دیا۔ چنانچہ واقدی کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ جا کر سارا قرض چکا یا اور پھر وہاں سے واپس آکر یحییٰ کے سایہ عاطفت میں پڑا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا[1]"

ابن خلکان نے یحیٰی کے بجائے ماموں سے قرض کی ادائیگی کی درخواست کا ذکر کیا ہے[2] اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ممکن ہے انھوں نے ماموں کو بھی خط بھیجا ہو اور ساتھ ہی یحیٰی کی خدمت میں بنفس نفیس حاضر ہو گئے ہوں۔ یا پھر یہ دونوں واقعے ہوں۔

حصول علم میں محنت و مشقت واقدی کی زیادہ شہرت سیر و تاریخ کے عالم کی حیثیت سے ہے۔ اور اس میں بہت سی خامیوں کے باوجود ان کی مشیخت مسلم ہے۔ علامہ شبلی نے ان پر جہاں بہت سی تنقیدیں کی ہیں ان میں خاص تنقید یہ ہے کہ "واقدی جزئیات کا استقصا بہت زیادہ کرتے ہیں اور یہ چیز سوا سو برس کے بعد ممکن نہیں تھی۔ اور یورپ والے انہی جزئیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں[3]"

مگر واقدی کی کتاب زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو مغازی و سیرت کے واقعات کے ایک ایک جزئیہ کی تفصیل کا پورا حق تھا۔ اس لئے کہ انھوں نے اسکے لئے مہینوں اور برسوں در در کی خاک چھانی تھی۔ خود بیان کرتے ہیں۔

ما ادرکت رجلاً من ابناء الصحابۃ و	میں نے صحابہ یا شہداء کی اولاد یا انکے غلاموں
ابناء الشھداء ولا مولی لھم الا وسألته	میں سے جس کو بھی پایا اس سے یہ ضرور پوچھا کہ فلاں
ھل سمعت احداً من اھلك یخبرك	واقعہ کے بارے میں کچھ سنا ہو تو بتایئے کہ یہ کہاں
من شھد و این قتل[4]	پیش آیا اور ان کی شہادت کس مقام پر ہوئی۔

پھر زبانی سوال و جواب پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جب ان کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ جائے وقوع پر جا کر اس کا مشاہدہ کرتے اور معلومات فراہم کرتے۔

فاذا اعلمنی مضیت الی الموضع فاعاینه	جب وہ مجھے بتاتے تو میں اس جگہ خود جاتا اور

---

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۴ و ۵۔ [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۲۵۔ [3] مقدمہ سیرت النبی ج ۱ ص ۹۹۔ [4] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولقد مضیت الی المریسیع فنظرت الیہا و ما علمت غزاة الا مضیت الی الموضع فاعاینہ۔

اس کا معائنہ کرتا۔ اسی غرض سے مریسیع گیا۔ اور اس کا مشاہدہ کیا اور اس طرح جہاں بھی غزوات ہوئے میں سب جگہوں پر گیا اور بچشم خود ان کو دیکھا۔

ہارون القروی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے واقدی کو دیکھا کہ پانی کا مشکیزہ لٹکائے ہوئے کہیں جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہاں کا قصد ہے بولے حنین جا رہا ہوں تاکہ واقعہ حنین اور اس کے موقع و محل کا معائنہ کروں۔ کیا اس محنت و جستجو کے بعد بھی ان کو تاریخ و مغازی کے جزئیات کی تفصیل بیان کرنے کا حق نہیں ہے۔ جہاں تک یورپ والوں کے فائدہ اٹھانے کا سوال ہے تو وہ زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ ان کے اعتراض کا ہدف تو (نعوذ باللہ) قرآن اور حضور کی شخصیت بھی ہے۔

فضل و کمال | واقدی کے فضل و کمال کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو فن سیرت و مغازی میں ان کی امامت دوسرے علم حدیث میں ان کا مرتبہ۔ دوسرے الفاظ میں ایک مورخ کی حیثیت سے ان کا درجہ اور دوسرے محدث کی حیثیت سے ان کا مقام۔ روایت حدیث کے جو اصول اور اس کے قبول و عدم قبول کے جو شرائط محدثین نے مقرر کئے ہیں۔ ان کے اعتبار سے تو واقدی کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا چنانچہ امام احمد کا بیان ہے کہ میں واقدی کی طرف سے ہمیشہ معیت کرتا تھا لیکن جب انھوں نے معمر عن زہری عن ام سلمہ کے واسطے سے یہ حدیث روایت کی کہ "کیا تم دونوں اندھی ہو" تو میرے لئے موافقت کی شکل نہیں رہ گئی۔

فجاء بشئ لا حیلة فیہ والحدیث حدیث یونس لم یروہ غیرہ [1]

ایسی روایت کی ہے جس میں کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ روایت یونس کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کی ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی واقدی کی غلطی یہ نہیں تھی کہ وہ اپنے جی سے روایت کرتے بلکہ ان سے سند کے ذکر میں غلطی ہوگئی تھی کہ یونس کے بجائے معمر کا نام لے لیا۔ اسی طرح دوسرے محدثین نے بھی ان کی روایات پر تنقید کی ہے اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے گو ابن ماجہ نے لباس الجمعہ کے باب میں روایت کی ہے[1]

مگر واقدی کی دوسری حیثیت سیرت و مغازی کے ایک اسکالر کی ہے۔ ان کی اس حیثیت پر تمام ائمہ و محققین متفق ہیں۔ مذکورہ بالا واقعات سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ انھوں نے اس فن میں اپنی کتنی محنت صرف کی تھی۔ پھر ان کے شاگرد ابن سعد پر تمام محققین نے اعتماد کیا ہے۔ انکی نصف سے زیادہ سیرت و تاریخ کی روایات واقدی ہی کے واسطے سے مروی ہیں۔

واقدی کی روایت میں شبہ کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کا حافظہ کمزور تھا یا ان کو ممتاز شیوخ کی صحبت حاصل نہیں تھی یا ان کا کردار اچھا نہیں تھا۔ بلکہ محدثین کی رائے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کبھی ان سے رواۃ کا نام لینے میں غلطی ہو جاتی تھی اور کبھی وہ کسی واقعہ کے جزئیات کی اتنی تفصیل بیان کرتے تھے کہ ان کا علم دوسروں کو نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ان کی ان تفصیلات کو دوسرے محدثین مناکیر اور مجاہیل تصور کرتے تھے۔ مگر جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ واقعات کی تفصیل وہ محض راویوں سے سن کر نہیں بلکہ صاحب واقعہ کے خاندان، ان کے افراد اور موقع و محل سے اس کی مطابقت پیدا کر کے پھر اسے بیان کرتے تھے۔

ظاہر ہے جو شخص اتنی تلاش و جستجو کے بعد کوئی واقعہ لکھے تو اس میں تسلسل اور ربط زیادہ ہوگا۔ مگر یہی چیز واقدی کا عیب بن گئی۔ خاص طور پر عہد جاہلی کے مقابلہ میں عہد اسلامی کے بارے میں ان کی معلومات زیادہ تھیں۔ ابراہیم الحربی کا بیان ہے۔

کان الواقدی اعلم الناس بامر الاسلام، فاما الجاهلية فلم يعلم عنها شيئاً

واقدی اسلامی معاملات کے زیادہ واقف کار تھے لیکن عہد جاہلی کے بارے میں انہیں کچھ علم

---

[1] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکان ابین الناس علی الاسلام[1] نہ تھا اور وہ اسلام کے امین تھے۔

اسی کے ساتھ واقدی کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ انھوں نے عہدہ قضا اور مامون کے دربار سے تعلق پیدا کر لیا تھا اور محدثین نے دربار سے تعلق رکھنے والوں کی دیانت پر کم ہی اعتماد کیا ہے۔ اور ان کی بے اعتمادی بلا وجہ بھی نہیں۔ مگر اس کے باوجود اس کلیہ میں کچھ استثنائی مثالیں بھی ہیں۔ اس لئے راقم کے نزدیک واقدی فی الواقع اتنے ضعیف نہیں جتنا کہ خارجی اسباب نے انہیں ضعیف بنا دیا ہے۔ محدثین میں بہت سے لوگوں نے معمولی غلطیوں کی وجہ سے بڑے بڑے ائمہ حدیث کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کی دیانت و ثقاہت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ بالا حدیث جس پر امام احمد نے واقدی پر سخت تنقید کی ہے اس کے بارے میں منصور الرمادی کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں واقدی بغداد کے قاضی تھے علی بن المدینی بغداد آئے میں ان کے ساتھ بغداد کے مختلف شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ واقدی سے بھی سماع حاصل کرنا چاہئے۔ ابن المدینی کو اس میں تکلف ہوا اور انھوں نے امام احمد سے لکھ کر دریافت کیا کہ کیا میں واقدی سے روایت کروں، امام احمد نے ان کو لکھا کہ ایک ایسے شخص سے روایت کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جو معمر سے نبہان مکاتب ام سلمہ کی روایت کرتا ہے حالانکہ اس روایت میں یونس منفرد ہیں دوسرا کوئی راوی ان کا شریک نہیں ہے۔ رمادی کہتے ہیں کہ اس کے کچھ ہی دنوں بعد میں مصر آیا تو یہی روایت ابن ابی مریم کی زبانی بواسطہ نافع سنی تو مجھے ہنسی آگئی۔ انھوں نے ہنسی کی وجہ دریافت کی تو میں نے امام احمد کا واقعہ بتایا کہ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ یونس منفرد ہیں حالانکہ آپ تو نافع سے بیان کرتے ہیں جو ان سے برتر نہیں۔ ابن ابی مریم نے فرمایا کہ ہم مصریوں کو امام زہری کی روایات سے کافی اعتنا ہے (اور یہ روایت ان کے واسطے سے مروی ہے اس لئے اس بارے میں کسی کی رائے ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں) یہ واقعہ نقل کرنیکے بعد

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دمادی نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ

هذا مما ظلم فيه الواقدي[1] — اس واقعہ کے سلسلہ میں واقدی کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔

اوپر مذکور ہوا کہ محدث ابن ماجہ نے واقدی سے روایت کی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روایتِ حدیث کے سلسلہ میں واقدی کا مرتبہ اتنا کم نہیں تھا جتنا عام طور پر کم سمجھا جاتا ہے خود ابن سعد کی نصف روائتیں ان سے مروی ہیں۔

معاصرین کی رائے | تنقید و جرح کے ساتھ ان کی تعدیل اور قبولِ روایت بالخصوص سیر و تاریخ کے سلسلہ میں معاصر اور بعد کے علماء نے جو رائیں دی ہیں ان سے بھی واقدی کی حیثیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

واقدی کو اکثر ائمہ حدیث نے ضعیف اور بعض نے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ مگر بہت سے ائمہ سیر و مغازی اور محدثین نے ان کے بارے میں بڑی ..... اچھی رائیں دی ہیں۔ ان کے شاگرد رشید اور علامۂ وقت ابن سعد نے اپنے شیخ کے سوانح حیات کا اختتام ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

وكان عالماً بالمغازي واختلاف الناس وأحاديثهم[2] — اور وہ سیرت و مغازی اور احکام و احادیث میں علماء کے اختلاف سے خوب واقف تھے۔

اس اجمال کی تفصیل سمعانی نے مزید کی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

وهو ممن طبق شرق الأرض وغربها ذكره..... سارت الركبان بكتبه في فنون العلم من المغازي والسير والطبقات — وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی شہرت شرق سے غرب تک ہے۔ مختلف علوم و فنون میں ان کی کتابیں تشنگان علم نقل کر کے اقلیم در اقلیم لے گئے۔ وہ مغازی، سیرت،

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۴ و تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۸

[2] طبقات ابن سعد ج ، ص ۷۷ (قسم ثانی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم والأحداث التی کانت فی وقتہ وبعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وکتب الفقہ واختلاف الناس فی الحدیث[1]

طبقات، احادیثِ نبوی اور آپ کی حیات مبارکہ میں اور آپ کی وفات کے بعد کے اہم واقعات پر مشتمل ہیں۔ پھر ان کی فقہ اور روایت حدیث میں جو اختلافات ہیں ان پر مشتمل ان کی کتابیں ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں:

"وہ امام عالم ہیں۔ مغازی میں جن کی تصنیفات متعدد ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب "کتاب الردۃ" کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے ارتداد کا تفصیلی ذکر ہے۔ اور اس میں مدعیان نبوت طلیحہ بن خویلد، مسیلمہ کذاب، اور اسود العنسی سے صحابہ کے جہاد کا ذکر ہے[2]"

حافظ ابن حجر نے ان کو بڑا آدمی اور ابن عماد نے علم کا ظرف لکھا ہے[3]۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ واقدی کی حدیث کے قابل ترک ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ مگر اس جرح کے ساتھ انھوں نے ان کے علم وفضل کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اور سیرت ومغازی کا امام قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

الحافظ البحر ... وھو من اوعیۃ العلم لا یتقن الحدیث ورأس فی المغازی والسیر ویروی عن کل ضرب[4]

حافظ بحر بیکراں تھے ... وہ علم کا ظرف تھے۔ حدیث میں اتقان نہیں تھا مگر مغازی اور سیرت میں امام تھے یہ ضرور ہے کہ وہ ہر طرح کی روائتیں بیان کردیتے تھے

اسی طرح خطیب بغدادی نے بھی ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے۔ محدثین میں ابن ماجہ نے ان کی روایت نقل کی ہے۔ امام صغانی فرماتے ہیں کہ اگر واقدی ثقہ نہ ہوتے تو میں ان سے روایت کس طرح کرسکتا۔

---

[1] الانساب للسمعانی ورق ۵۷۷ (قدیم اڈیشن) [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۲۴۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۳ و شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۸۔

[4] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ ص ۳۱۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن نمیر سے (کوفہ میں) دریافت کیا گیا تو بولے کہ یہاں تو ان کی احادیث صحیح ہی ہیں۔ رہے اہل مدینہ تو وہ ان سے زیادہ واقف ہیں۔ مجاہد بن موسیٰ نے تو لکھا ہے کہ

ما کتبت عن احد احفظ منہ — میں نے ان سے زیادہ کسی حافظہ والے سے حدیث نہیں لکھی ہے۔

مصعب الزبیری، ابو عبید اور دراوردی وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ عبداللہ بن مبارک جب مدینہ آئے تھے تو شیوخ کی رہنمائی اور رفیض انہی کی وجہ سے ملتا تھا[1]

عہدۂ قضا اور دربار خلافت سے تعلق واقدی کے علم وفضل کی وجہ سے خلفائے عباسیہ کے یہاں ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔ یحییٰ برمکی جو اہل علم کا سب سے بڑا قدرداں اور ان کے لئے انتہائی سیر چشم ثابت ہوا وہ بھی واقدی کے قدردانوں میں تھا اوپر اس کا واقعہ نقل کیا جا چکا ہے۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے یہاں بھی انکی بڑی قدر ومنزلت تھی انھوں نے نہ صرف انتہائی فراخدلی سے واقدی کی مالی اعانت کی بلکہ انہیں عہدۂ قضا پر بھی فائز کیا۔

ان کے عہدۂ قضا کے بارے میں دو روائیتیں ہیں۔ ایک کے مطابق مامون نے انہیں بغداد کے مغربی حصہ کا قاضی مقرر کیا اور دوسری روایت کے مطابق یہ مشرقی حصہ کے قاضی بنائے گئے[2]

مؤرخ ابن خلکان نے دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عسکر المہدی کے قاضی بنائے گئے تھے۔ یہ ایک محلہ ہے جسے ابوجعفر منصور نے اپنے لڑکے مہدی کے لئے آباد کیا تھا اور بغداد کے مشرقی حصے میں تھا۔

ھذا یؤید أن الواقدی کان قاضی الجانب الشرقی لا الغربی — اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ مشرقی بغداد کے قاضی تھے۔ مغربی کے نہیں[3]

---

[1] تفصیل کیلئے تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۵ وغیرہ ملاحظہ ہو۔ [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۲۴ و ۳۲۶

[3] بغداد کے ان دونوں حصوں میں لاکھوں کی آبادی تھی اس لئے ہمیشہ سے اس کے دو قاضی ہوتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر بعض روایتوں اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں حصوں کے قاضی رہ چکے تھے۔ ہارون کے زمانہ میں مغربی حصہ کے اور مامون کے زمانہ میں مشرقی حصہ کے۔ جب وہ پہلی بار بغداد آئے تھے تو اس وقت یحیٰی بن خالد برمکی کا زمانہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مامون کی خلافت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مامون کی خلافت ہارون کی وفات یعنی ۱۹۳ھ کے بعد ہوئی اور یحیٰی کا انتقال حالت قید میں ۱۹۰ھ میں ہوا۔ اس لئے ان کا بغداد آنا اور پھر مدینہ جاکر قرضداروں کا قرض ادا کرکے بغداد واپس آنے کا واقعہ یحیٰی کی موت (۱۹۰ھ) سے دو ایک برس پہلے کا ہوگا۔ اسلئے کہ ایک مدت وہ قید رہا۔ خود مامون اور واقدی کے درمیان ایک گفتگو سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔

ایک بار واقدی نے مامون کو ایک خط لکھا۔ جس میں اپنی مالی پریشانی کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

"۔۔۔ میں مقروض ہوگیا ہوں آپ اتنی رقم بھیجدیجئے ۔۔۔"

یہ خط طویل تھا اور اس طویل خط کا جواب بھی مامون نے مفصل دیا اور مطلوبہ رقم بھیج دی بغدادی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم ایک لاکھ درہم تھی مامون نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ

"۔۔۔ آپ میں دو خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک سخاوت دوسری حیا۔ سخاوت کی عمدہ دلیل تو یہ ہے کہ آپکے پاس جو کچھ تھا خرچ کر ڈالا اور حیا کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے خط میں کل رقم کے بجائے صرف ایک حصہ کا ذکر کیا ہے [1]۔"

آخر میں مامون نے ان کی تسکین کے لئے ایک حدیث جو انہی کی روایت سے اس نے سنی تھی یاد دلائی کہ آپ نے یہ روائیت ہم سے اس وقت بیان کی جب آپ ہارون رشید کے قاضی تھے کہ "حضرت زبیر سے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبیر! رزق کی کنجیاں عرش

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۲۶۔

© rasailojaraid.com